لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ o وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (القلم - ۵۱ - ۵۲)	ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا یہ اپنی غضبناک نظروں سے تمہارے قدم اکھاڑ دیں گے - اور یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص تو مجنون ہے. حالانکہ یہ تو سارے جہان والوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔
وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (حم السجدہ - ۲۶)	اور یہ منکرینِ حق کہتے ہیں کہ اس قرآن کو ہرگز نہ سنو اور شور مچا کر اس میں خلل ڈالو شاید کہ اس طرح تم غالب آجاؤ۔
فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ (المعارج ۳۶ - ۳۷)	پس (اے نبیؐ) کیا بات ہے کہ یہ منکرین دائیں اور بائیں سے تمہاری طرف دوڑے چلے آ رہے ہیں؟

"یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ اور تلاوتِ قرآن کی آواز سن کر مذاق اُڑانے اور آوازے کسنے کے لیے چاروں طرف سے دوڑ پڑتے تھے۔"

فصل چہارم

آخرت پر ایمان لانے کی دعوت

دعوتِ اسلامی کا چوتھا نکتہ یہ تھا کہ لوگ آخرت پر ایمان لائیں - یہ ایک محض مختصر سا نکتہ نہ تھا بلکہ اس میں بہت سی اہم حقیقتیں شامل تھیں جنہیں تسلیم کرنے کا مجموعی نام ایمان بالآخرۃ تھا -

اوّل یہ کہ دنیا میں انسان غیر ذمہ دار بنا کر نہیں چھوڑ دیا گیا ہے کہ یہاں جو کچھ بھی وہ چاہے کرتا رہے کوئی اُس سے باز پرس کرنے والا نہ ہو - بلکہ یہ دُنیا دارالامتحان ہے جس میں انسان آزمائش کے لیے بھیجا گیا ہے، اور جو کچھ بھی وہ یہاں کرتا ہے اس کی جواب دہی اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے کرنی ہوگی۔

دوم یہ کہ اس جواب دہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص وقت مقرر کر رکھا ہے۔ نوعِ انسانی کو دنیا میں کام کرنے کے لیے جتنی مہلت دینے کا اللہ فیصلہ فرما چکا ہے، اس کے ختم ہونے پر قیامت برپا ہوگی جس میں یہ سارا نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ اس کے بعد ایک دوسرا نظامِ عالم قائم کیا جائے گا اور ابتدائے آفرینش سے قیامت تک جتنے انسان گذر چکے ہوں گے وہ سب بیک وقت زندہ کر کے ازسرِنو اُس عالم میں اُٹھائے جائیں گے۔ یہ دوسری زندگی دنیا کی موجودہ زندگی کی طرح عارضی نہیں بلکہ ابدی ہوگی۔ موت اس میں کبھی نہ آئے گی۔

سوم یہ کہ اُس وقت تمام اگلے پچھلے انسانوں کو جمع کر کے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش کیا جائے گا، اور وہاں ہر شخص کو اپنی انفرادی حیثیت میں اُن اعمال کی جواب دہی کرنی ہوگی جو اُس نے خود اپنی ذمہ داری پر دنیا میں کیے ہوں گے۔

چہارم یہ کہ دنیا میں انسان جو کچھ بھی کر رہا ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ اس کو خود براہِ راست جانتا ہے، مگر عدل کی تمام شرائط پوری کرنے کے لیے وہ اُس کا مکمل اور بالکل صحیح نامۂ اعمال تیار کرا رہا ہے۔ بے شمار شہادتیں اس کے ایک ایک قول و فعل کے لیے فراہم کر رہا ہے خواہ وہ اس نے علانیہ کیا ہو یا چھپ کر۔ بلکہ جس نیت اور جس ارادے سے اس نے کوئی بات کی یا کہی ہے اور جو جو خیالات اُس نے اپنے دل میں رکھے ہیں، ان سب کا ثبوت بھی وہ محفوظ کرتا جا رہا ہے۔ پھر اس بات کے گواہ بھی اُس نے تیار کر رکھے ہیں کہ انسان کو حق اور باطل کا فرق سمجھانے اور غلط راستوں کے درمیان سیدھا راستہ بتانے کے لیے اُس کی طرف سے پورا انتظام کر دیا گیا تھا۔ یہ سب شہادتیں اللہ کی عدالت میں اس شان سے پیش ہوں گی کہ انسان ان کا انکار نہ کر سکے گا۔

پنجم یہ کہ اللہ کی عدالت میں کوئی رشوت، بے جا سفارش، اور خلافِ حق وکالت نہ چل سکے گی۔ کسی کا بوجھ کسی دوسرے پر ڈال جائے گا اور نہ کوئی عزیز سے عزیز اور قریب سے قریب شخص اپنے عزیز و قریب کا بوجھ اپنے اُوپر لے گا۔ جن واقعی یا خیالی ہستیوں کو آدمی اپنا ولی و ناصر سمجھتا ہے وہ اس کے کسی کام نہ آئیں گی۔ انسان وہاں تنِ تنہا بالکل بے یار و مددگار کھڑا ہوا اپنے کارنامۂ حیات کا حساب آپ دے رہا ہوگا۔ اور فیصلہ بالکل اللہ کے اختیار میں ہوگا۔

ششم یہ کہ فیصلے کا مدار کلیتہً اِس بات پر ہوگا کہ انسان نے دنیا میں انبیاء کے بتائے ہوئے حق کو مان کر اس کے مطابق اللہ کی ٹھیک ٹھیک بندگی کی یا نہیں، اور آخرت میں اپنی جواب دہی کے احساس کو ملحوظ رکھتے ہوئے زندگی بسر کی یا اسے بھول کر سب کچھ دنیا ہی کے لیے کرتا رہا۔ پہلی صورت میں اس کے لیے جنت ہے اور دوسری صورت میں جہنم۔

یہ آخرت کا عقیدہ اسلامی دعوت کے لیے اُتنا ہی اہم ہے جتنا توحید، رسالت اور قرآن کو کلام الٰہی ماننے کا عقیدہ ہے۔ کیونکہ اسلام جس طرزِ فکر و عمل کی طرف بلاتا ہے اور جس راہ پر چلنے کی دعوت دیتا ہے اس پر ایک قدم بھی انسان نہیں چل سکتا جب تک دُنیا کو امتحان گاہ اور اپنے آپ کو خدا کے سامنے جواب دہ نہ سمجھ لے۔ اور جب تک اُس کے دماغ سے یہ خیال نکل نہ جائے کہ زندگی بس یہی دنیا کی زندگی ہے جس میں ظاہر ہونے والے نتائج ہی خیر و شر کا اصل معیار ہیں، اور وہ سچے دل سے یہ بات نہ مان لے کہ اصلی اور ابدی زندگی وہ ہے جو موت کے بعد آنے والی ہے، اور خیر و شر کا حقیقی معیار یہ ہے کہ کس راہ پر چل کر آدمی اُس دوسری زندگی میں کامیاب ہوگا اور کس پر چل کر بُرا انجام دیکھے گا۔ یہ عقیدہ نہ ہو تو آدمی سرے سے توحید و رسالت اور ایمان بالقرآن کی دعوت کو قابلِ اعتنا ہی نہ سمجھے گا، اور اگر کسی وجہ سے اس کو مان بھی لے تو خدا کی بندگی، رسول کی اطاعت اور قرآن کی پیروی میں ہرگز سنجیدہ نہ ہوگا۔ اس لیے کہ جب آدمی یہ سمجھتا ہو کہ آخر کار سب کو مر کر مٹّی میں مل جانا ہے اور اس کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے جس میں خدا اور اس کے رسول اور اس کی کتاب کی پیروی کرنے کی جزا اور نہ کرنے کی سزا لازماً ملنے والی ہو تو وہ کبھی ایمانداری کے ساتھ اپنے آپ کو اُس ضابطہ میں بندھوا دینے کے لیے تیار نہ ہوگا جس میں اسلام اس کو باندھنا چاہتا ہے، بلکہ زندگی کے ہر معاملہ میں وہ طریقہ اختیار کرے گا جس سے دنیا میں کچھ فائدہ، کچھ لطف اور کچھ لذت حاصل ہو، اور ہر اُس طریقے سے اجتناب کرے گا جس کی بدولت وہ حیاتِ دنیا کے فائدوں اور لذتوں سے محروم ہوتا ہو یا نقصانات اور تکلیفوں سے دوچار ہوتا ہو۔

قریش کا آخرت کو بعید از عقل اور ناممکن سمجھنا

اس عقیدے کی یہی اہمیت تھی جس کی وجہ سے قریش اور مشرکین عرب کے سامنے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پیش کیا تو وہ سب سے زیادہ اسی پر چَوکنّے ہوئے۔ اُنھوں نے محسوس کیا کہ اگر اس کو ہم مان لیں تو ہماری ساری آزادیاں ختم ہو جائیں گی۔ ہم تنہائی میں بھی، جہاں ہمیں کوئی دیکھنے والا نہ ہو، کوئی ایسا فعل جسے خدا اور رسول اور قرآن نے حرام کیا ہے نہ کر سکیں گے۔ ہم جہاں کوئی ناجائز فائدہ یا لطف یا لذّت حاصل کرنے پر پوری طرح قادر ہوں گے وہاں بھی یہ عقیدہ ہمارے ہاتھ باندھ کر رکھ دے گا۔ یہ تو ایک غیر محسوس سپاہی ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ لگا دے گا جو کسی حالت میں بھی ہم کو من مانی نہ کرنے دیگا۔ اِسی بنا پر وہ پوری قوت کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوگئے، اور انھوں نے بڑے زور شور سے لوگوں میں یہ خیال پھیلانے کی کوشش کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات تو قطعی خلافِ عقل ہے، بعید از امکان، سراسر دیوانگی، بلکہ محض قابلِ مضحکہ ہے۔

قرآن مجید میں اُن کے اِن خیالات کو جگہ جگہ نقل کر کے بڑے معقول دلائل کے ساتھ سب سے پہلے آخرت کا امکان ثابت کیا گیا، کیونکہ بعید کی کوئی بات انسان کے ذہن میں اُتر نہیں سکتی تھی جب تک پہلے آخرت کو ممکن ثابت کر کے اس کے عدمِ امکان کے واہمہ کا قلع قمع نہ کر دیا جائے۔

منکرینِ آخرت کے خیالات کفار میں سے ایک قلیل گروہ ایسا بھی تھا جو کہتا تھا کہ ہم گمان کی حد تک تو سمجھتے ہیں کہ شاید آخرت ہو مگر ہمیں اس کا یقین نہیں ہے۔ اِس گروہ کا ذکر صرف ایک جگہ قرآن میں آیا ہے، ورنہ ہر جگہ قطعی انکار کرنے والوں ہی کا ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خیال کے لوگ بہت کم پائے جاتے تھے۔

پہلے گروہ کا ذکر احوالِ آخرت کے بیان میں صرف اِس جگہ آیا ہے:

وَإِذَا قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ	اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ برحق
وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا	ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں،
قُلْتُم مَّا نَدْرِي مَا السَّاعَةُ	تو تم کہتے تھے کہ "ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا
إِن نَّظُنُّ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ	ہوتی ہے؟ ہم تو بس ایک گمان سا رکھتے ہیں،
بِمُسْتَيْقِنِينَ (الجاثیہ - ۳۲)	یقین ہم کو نہیں ہے"۔

بظاہر ان دونوں گروہوں میں اس لحاظ سے بڑا فرق ہے کہ ایک آخرت کا بالکل منکر ہے اور دوسرا اس کے ممکن ہونے کا گمان رکھتا ہے لیکن نتیجے اور انجام کے لحاظ سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اس لیے کہ آخرت کے انکار اور اس پر یقین نہ ہونے کے اخلاقی نتائج بالکل ایک جیسے ہیں۔ کوئی شخص خواہ آخرت کو نہ مانتا ہو، یا اس کا صرف گمان رکھتا ہو اور یقین نہ رکھتا ہو، دونوں صورتوں میں لازماً وہ خدا کے سامنے اپنی جوابدہی کے احساس سے خالی ہوگا اور یہ عدمِ احساس اس کو لازماً فکر و عمل کی گمراہیوں میں مبتلا کر کے رہے گا۔ صرف آخرت کا یقین ہی دنیا میں آدمی کے رویّے کو درست رکھ سکتا ہے۔ یہ اگر نہ ہو تو شک اور انکار، دونوں اسے ایک ہی طرح کی غیر ذمہ دارانہ روش پر ڈال دیتے ہیں۔ اور چونکہ یہی غیر ذمہ دارانہ روش آخرت کی بدانجامی کا اصل سبب ہے، اس لیے دوزخ میں جانے سے نہ انکار کرنے والا بچ سکتا ہے، نہ یقین نہ رکھنے والا۔

اِس ایک مقام کو چھوڑ کر باقی تمام مقامات پر قرآن میں آخرت کا کھلا کھلا انکار کرنے والوں کے اقوال نقل کیے گئے ہیں:

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا	یہ لوگ کہتے ہیں کہ "زندگی بس یہی ہماری دنیا کی

نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۔ وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۔ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۔ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا ائْتُوا بِآبَائِنَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (الجاثیہ - ۴۵ ۲۴ تا ۲۵)

زندگی ہے۔ یہیں ہمیں مرنا اور جینا ہے اور گردشِ ایام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو" درحقیقت اس معاملہ میں ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے۔ یہ محض گمان کی بنا پر یہ باتیں کرتے ہیں اور جب ہماری واضح آیات (جو آخرت پر دلالت کرتی ہیں) انہیں سنائی جاتی ہیں تو ان کے پاس کوئی حجت اس کے سوا نہیں ہوتی کہ اٹھالاؤ ہمارے باپ دادا کو اگر تم سچے ہو۔

یعنی کوئی ذریعۂ علم ایسا نہیں ہے جس سے ان کو بتحقیق یہ معلوم ہوگیا ہو کہ اس زندگی کے بعد انسان کے لیے کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔ اور یہ بات بھی انہیں معلوم ہوگئی ہو کہ انسان کی روح کسی خدا کے حکم سے قبض نہیں کی جاتی بلکہ آدمی محض گردشِ ایام سے مرکر فنا ہوجاتا ہے۔ منکرین آخرت یہ باتیں کسی علم کی بنا پر نہیں بلکہ محض گمان کی بنا پر کرتے ہیں۔ علمی حیثیت سے اگر وہ بات کریں تو زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہہ سکتے ہیں وہ بس یہ ہے کہ "ہم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی ہے یا نہیں"۔ لیکن یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ "ہم جانتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے"۔ اسی طرح علمی طریقہ پر وہ یہ جاننے کا دعویٰ نہیں کرسکتے کہ آدمی کی روح خدا کے حکم سے نکالی نہیں جاتی ہے بلکہ وہ محض اس طرح مرکر ختم ہوجاتا ہے جیسے ایک گھڑی چلتے چلتے رک جائے۔ زیادہ سے زیادہ جو کچھ وہ کہہ سکتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ "ہم ان دونوں میں سے کسی کے متعلق یہ نہیں جانتے کہ فی الواقع کیا صورت پیش آتی ہے"۔ اب سوال یہ ہے کہ جب انسانی ذرائع علم کی حد تک زندگی بعدِ موت کے ہونے یا نہ ہونے، اور قبضِ روح واقع ہونے یا گردشِ ایام سے آپ ہی آپ مرجانے کا یکساں احتمال ہے، تو آخر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ امکانِ آخرت کے احتمال کو چھوڑ کر حتمی طور پر انکارِ آخرت کے حق میں فیصلہ کر ڈالتے ہیں؟ کیا اس کی وجہ اس کے سوا کچھ اور ہے کہ در اصل مسئلے کا آخری فیصلہ وہ دلیل کی بنا پر نہیں بلکہ اپنی خواہشات کی بنا پر کرتے ہیں؟ چونکہ ان کا دل یہ نہیں چاہتا کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی ہو اور موت کی حقیقت نیستی اور عدم نہیں، بلکہ خدا کی طرف سے قبضِ روح ہو، اس لیے وہ اپنے دل کی مانگ کو اپنا عقیدہ بنا لیتے ہیں اور دوسری بات کا انکار کر دیتے ہیں۔

قَالُوا أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا

یہ کہتے ہیں "کیا جب ہم کر مٹی ہو جائیں گے اور

وَعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ٥ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ٥ (المومنون - ۸۲-۸۳)	ہڈیوں کا پنجر بن کر رہ جائیں گے۔ تو ہم کو پھر زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا؟ ہم نے بھی یہ وعدے بہت سُنے ہیں اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا بھی سُنتے رہے ہیں۔ یہ محض افسانہ ہائے پارینہ ہیں۔
وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۥ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ - (الرعد - ۵)	اور اگر تمہیں تعجب کرنا ہے تو تعجب کے قابل لوگوں کا یہ قول ہے کہ "جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کیے جائیں گے"؟ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب سے کفر کیا ہے۔

یعنی ان کا آخرت سے انکار اور اسے بعید از امکان سمجھنا دراصل خدا سے اور اس کی قدرت اور حکمت سے انکار ہے۔ یہ صرف اتنا ہی نہیں کہتے کہ ہمارا مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ پیدا ہونا غیر ممکن ہے، بلکہ ان کے اسی قول میں یہ خیال بھی پوشیدہ ہے کہ معاذ اللہ وہ خدا عاجز و درماندہ اور نادان و بے خرد ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ - اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ - (سبا - ۷-۸)	منکرین لوگوں سے کہتے ہیں" ہم بتائیں تمہیں ایسا شخص جو خبر دیتا ہے کہ جب تمہارے جسم کا ذرہ ذرہ منتشر ہو چکا ہوگا اس وقت تم نئے سرے سے پیدا کر دیے جاؤ گے؟ نہ معلوم یہ شخص اللہ کے نام سے جھوٹ گھڑتا ہے یا اسے جنون لاحق ہے۔"

قریش کے سردار قطعی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا کہہ دینے کی ہمت نہ رکھتے تھے کیونکہ پوری قوم آپ کو صادق القول جانتی تھی اور کبھی ساری عمر کسی نے آپ کی زبان سے کوئی جھوٹی بات نہ سُنی تھی۔ اس لیے وہ لوگوں کے سامنے اپنا الزام اس شکل میں پیش کرتے تھے کہ یہ شخص جب زندگی کے بعد موت جیسی اَن ہونی بات زبان سے نکالتا ہے تو لامحالہ اس کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں ہو سکتا۔ یا تو (معاذ اللہ) یہ شخص جان بوجھ

کہ ایک جھوٹی بات کہہ رہا ہے، یا پھر یہ مجنون ہے۔ لیکن یہ مجنون والی بات بھی اُتنی ہی بے سرو پا تھی جتنی جھوٹ والی بات۔ اس لیے کہ کوئی عقل کا اندھا ہی ایک کمال درجہ کے عاقل و فہیم آدمی کو مجنون مان سکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس بیہودہ بات کے جواب میں کسی استدلال کی ضرورت محسوس نہ فرمائی اور کلام صرف اُن کے اُس اچنبھے پر کیا جو زندگی بعد موت کے امکان پر وہ ظاہر کرتے تھے۔

يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۝ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝ (النّٰزعٰت - ۱۰-۱۲)	یہ لوگ کہتے ہیں "کیا واقعی ہم پلٹا کر پھر واپس لائے جائیں گے؟ کیا جب ہم کھوکھلی بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے؟" کہنے لگے "یہ واپسی تو پھر بڑے گھاٹے کی ہوگی۔"

یعنی جب اُن کو جواب دیا گیا کہ ہاں ایسا ہی ہوگا تو وہ مذاق کے طور پر آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یارو اگر واقعی ہمیں پلٹ کر دوبارہ زندگی کی حالت میں واپس آنا پڑا تو ہم مارے گئے، اس کے بعد تو پھر ہماری خیر نہیں۔

وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ۬ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ اَوَاٰبَاۗؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ۬ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ (الواقعہ - ۴۷ تا ۵۰)	اور وہ کہتے تھے "کیا جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے اور ہڈیوں کے پنجر بن کر رہ جائیں گے تو پھر اُٹھا کھڑے کیے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے وہ باپ دادا بھی اُٹھائے جائیں گے جو پہلے گزر چکے ہیں؟" (اے نبیؐ) اِن لوگوں سے کہو، یقیناً اگلے اور پچھلے سب ایک دن ضرور جمع کیے جانے والے ہیں جس کا وقت مقرر کیا جا چکا ہے۔

(باقی)